اکیسویں صدی اور اردو زبان وادب

ہارون راؤ

Haroon Rao

Ph.D Scholar, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.

عظیم اللہ جندران

Azeemullah Jundran

Ph.D Scholar, Department of Urdu,
Lahore Garrison University, Lahore.

Abstract:

Social development and modern literature are two distinct fields of life. Awareness of social problems should be reflected in the literature of modern era. In this article on effort has been made to see the role of Urdu language and literature in 21st century. Urdu writers and critics should be ready to tackle the challenges of present century.

عصر رواں نے فکر ونظر اور معاش واقتصاد، روایات واقدار اور جذبات واحسات کے حوالے سے صرف مغرب ہی نہیں، مشرق کو بھی برابر متاثر کیا ہے۔ مغربی اقوام اپنی فنی سائنسی اور علمی فتوحات کی بنا پر اقوام مشرق سے بازی لے گئی ہیں۔ مشینی برتری نے اہل مغرب کو مادی برتری بھی دلائی ہے۔ ذرائع رسل ورسائل کی برق رفتار ترقی سے علوم وفنون کی نشر واشاعت کو بڑی ترقی ملی ہے۔ وقت کو انسان نے اپنی گرفت میں کرلیا ہے اور پوری زمین ایک مرکز کے تحت آ گئی ہے۔ وہ مرکز جسے انسان نے اپنی علمی وفنی ترقی سے تراشا ہے، بین الاقوامیت کا رجحان ہے۔ اسے انسان پرستی کا نام بھی دیا جاسکتا ہے۔ دور جدید کے انسان نے جو سائنسی اور علمی ترقی کی ہے اس نے اس کے شعور، فکر اور انداز نظر میں عظیم تبدیلی پیدا کی ہے۔ انسان نے سوچ کی نئی نئی راہیں تلاش کی ہیں۔ ماضی کی جکڑ بندیوں سے رہائی پائی ہے۔ اس کا لازمی طور پر اثر شعر وفن اور ادبیات پر بھی پڑا ہے۔ اس سے پہلے ادب وفن صرف بڑے بڑے لوگوں کی جاگیر سمجھا جاتا تھا۔ اسے صرف بڑے بڑے سرمایہ داروں، امراء، رؤسا اور بادشاہوں کی بزم آرائیوں تک محدود کر دیا گیا تھا۔ شاعر، ادیب اور فن کار اس محدود ومخصوص طبقے کی مسرتوں کے امین تھے۔ گویا ماضی کا ادب زندگی کا ترجمان تو تھا مگر یہ ترجمانی ایک محدود اور مخصوص طبقے کی زندگی کے گرد محیط تھی۔ ادب کی ان حدود میں عوام کا داخلہ ممنوع تھا۔ حصولِ حظ اور تکمیل مسرت صرف طبقہ اشراف کا حق سمجھا جاتا تھا اور وہ یہ حق کسی بھی قیمت پر نچلے طبقے کو دینا نہیں چاہتا تھا۔

عصر رواں کے علوم وفنون میں جو انقلاب آیا ہے اس سے پرانی قدروں کو دھچکا لگا، اب ادب امرا، جاگیرداروں اور بڑے لوگوں کی اجارہ داری نہیں ہے بلکہ ان کی گرفت سے نکل کر اب عوام تک آ گیا ہے۔ یہ عوام کے جذبات ومسائل کے اظہار کا ذریعہ بن چکا ہے۔ گویا اب ادب زندگی کا ترجمان ہے۔ ادب اور زندگی کے باہمی رشتے کی وضاحت کرتے ہوئے اے۔ بی۔ اشرف نے ادب اور انسانی زندگی کو آپس میں اس قدر مربوط بتایا ہے کہ ایک کے بغیر دوسرے کی زندگی کا تصور ہی ناممکن ہے۔ ان کے مطابق:

> ''زندگی ارتقا اور مسلسل ارتقا کا دوسرا نام ہے۔ جس میں انفرادی اور اجتماعی پہلو دونوں شانہ بشانہ چلتے ہیں۔ انفرادیت، اجتماعیت کے بغیر کوئی وجود نہیں رکھتی اور اجتماعیت انفرادیت سے علیحدہ کوئی چیز نہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں اور دونوں کو ارتقائے حیات میں ایک دوسرے کا ممد ومعاون ہونا چاہیے۔ اسی کا نام حیاتِ انسانی کا ارتقا ہے۔ ادب اسی حیات انسانی کا عکاس اور ترجمان ہے۔ بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ ادب زندگی کی مقتضیات میں سے ہے تو بے جا نہ ہوگا۔''(۱)

اب ادب اور فن کے اس جدید شعور نے اس کے داخلی وخارجی تصورات کو تلپٹ کر دیا ہے، جس کے نتیجے میں ادب زندگی کا آئینہ قرار پاتا ہے۔ ادب اپنا مواد اور سرمایہ تخلیق، زندگی کے سرچشمہ رواں سے حاصل کرتا ہے۔ وہ زندگی کی تمام حقیقتوں کا عکاس بھی ہے۔ وہ روایت سے بھی کسب فیض کرتا ہے اور حال کی صحیح عکاسی کر کے روشن مستقبل کی نشاندہی کرتا ہے۔ زندگی ایک عبوری اور ارتقائی حقیقت ہے۔ ادب ہر لمحے بدلتی ہوئی زندگی کی ہر روح کو خود میں جذب کر کے اپنے مختلف اسالیب کے توسط سے عوام کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ وہ زندگی سے بہت لیتا بھی ہے اور زندگی کو بہت کچھ دیتا بھی ہے۔ ادب تفسیر حیات، تعمیر حیات، تنقید حیات اور تطہیر حیات ہے۔

زبان وادب کا کوئی معیار، نمونہ اور قاعدہ وقت کے ہر آن بدلتے ہوئے تقاضوں سے ماورا نہیں ہوتا۔ ایک زندہ ادب کسی نہ کسی طور سے بدلتی ہوئی حقیقتوں کا عکس ہوتا ہے۔ ادب اور زندگی کے باہمی رشتے کو سمجھنے کے باعث ہی ادب میں مختلف تحریکات جنم لیتی ہیں جن سے مختلف ادوار میں عصری وتنقیدی آگہی کا شعور رکھنے والی تخلیقات وجود میں آتی ہیں جو ادب سماجی عناصر سے مواد حاصل کر کے تخلیق کیا جاتا ہے وہی زندہ ادب ہے اور معاشرے کی تعمیر وتشکیل میں اپنے حصے کا کردار بھی ادا کرتا ہے۔ ایسی تخلیقات جن میں گردوپیش کی زندگی، عصری آگہی اور عصر رواں کے چیلنجز سے نمٹنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ وہ جلد یا بدیر اپنی موت آپ مر جاتی ہیں۔ ہماری موجودہ زندگی، اپنی تہذیبی اور سماجی روایات سمیت ہمارے ادب میں منعکس ہونی چاہیے۔ ناقدین کا ایک گروہ اس نظریے کا حامی ہے کہ ادیب کو محض تخلیق حسن سے ہی دلی بستگی کا سامان کرنا چاہیے اور اسے معاشرت، سماجی اقدار اور ارتقا کے حیات سے دور رہنا چاہیے۔ لیکن یہ طرز عمل وقت کے جدید تقاضوں سے مطابقت نہیں رکھتا اور یہ حقیقی ادب کی تخلیق کے لیے سم قاتل ہے۔ ادب کا مقام اور مرتبہ متعین کرتے ہوئے ڈاکٹر اے۔ بی۔ اشرف رقم طراز ہیں:

> ''ادب کا کام تخلیق حسن کے ساتھ ساتھ زندگی کے حقائق کی عکاسی کرنا بھی ہے۔ ادب، زندگی، معاشرے اور تہذیب کا ترجمان وعکاس اور نقاد ہوتا ہے۔ یہ انسانی جذبات

واحساسات اور بلند تر خیالات کا فنی اظہار ہے۔ اس میں سماجی اورافادی پہلو بھی ہونا چاہیے، فنی اور جمالیاتی بھی۔ اس کی یہ خصوصیت اسے زندگی سے ہم آہنگ کرتی ہے کیوں کہ زندگی بھی انہیں دو پہلوؤں سے عبارت ہے۔''(۲)

''ثبات اک تغیر کو ہے زمانے میں'' کے مصداق ارتقا کا عمل ابدی اور دائمی ہے۔ لفظ ''ترقی یافتہ'' ترقی کی انتہائی اور کامل ترین حدود کا احاطہ نہیں کرتا اور نہ ہی کبھی اس بات کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ یہ ترقی کی آخری منزل ہے اور اس کے بعد بس۔ ادب بہ یک وقت انسان کے پیچیدہ معاشرتی، ثقافتی، نفسیاتی اور تخلیقی تجربات و معاملات کا آئینہ دار اور آئینہ گر ہوتا ہے۔

عصر حاضر میں معیشت، ٹیکنالوجی، سیاست اور عالمی حالات و واقعات نے ادب کے مقام، حیثیت اور کردار کو چیلنج کیا ہے۔ ذرائع رسل و رسائل اور نقل و حمل، صنعت و حرفت اور سب سے بڑھ کر عالمی مارکیٹ اور صارفیت نے ادب کی حیثیت، افادیت اور ارتقا کو نئی جہتوں سے روشناس کرا دیا ہے۔ عصر رواں کی حیات عالم گیریت کی قیمت اپنی لسانی روایات کی شکل میں چُکا رہی ہے۔ کسی خاص ماحول اور سماج میں ترقی پذیر ادب بنیادی طور پر اظہار و ترسیل، تفہیم و تشریح اور نشر و اشاعت کا ایک مئوثر اور فطری آلہ کار ہوتا ہے۔ سماج کی ترقی اور ادب کی ترقی لازم و ملزوم ہیں۔ ذہنی آبیاری اور اقدار کی پاسداری کا فن ادبی تخلیقات سکھاتی ہیں اور اسرار و رموز حیات بتاتی ہیں۔ عصر رواں میں آفاقی قواعد، ادرا کی سائنس اور تجزیہ کلام نے تمام جدید علوم میں اپنے مقام اور کردار کا تعین احسن انداز میں کر لیا ہے۔ اب جدید علوم کی بدولت ایسے طریق ہائے کار وضع ہو چکے ہیں جن کی مدد سے ادب کی توضیح و تجزیہ معروضی طور پر ممکن ہو گیا ہے۔ اردو ادب کے فروغ اور ارتقا کے لیے، ان تمام جدید علوم کا استعمال عصر رواں کا تقاضا ہے۔ ادب کے سماج کے ساتھ تعلق کے حوالے سے ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

''ادب ایک ایسا سماجی عمل ہے جو زبان اور تخلیق کے حوالے سے بالواسطہ طور پر زندگی، معاشرے اور عوام کو متاثر کرتا ہے۔ یہاں اس بات کا اظہار ضروری ہے کہ ادب قوموں، ملکوں اور لوگوں پر اپنا اثر ضرور مرتب کرتا ہے لیکن یہ اثر فوری یا براہ راست نہیں ہوتا۔ اس کا دائرہ اثر اتنا وسیع اور طریقہ عمل اتنا بالواسطہ ہے کہ ان اثرات کا اعداد و شمار کے حوالے سے جائزہ لینا ممکن ہی نہیں۔ شاید اسی لیے ہم ادب کی کامیابی کا جائزہ فوری اثرات کے برعکس کچھ فاصلے سے لگاتے ہیں۔''(۳)

ادب کا ایک اہم فریضہ سماجی زندگی میں خارجی سطح پر تیزی و تبدیلی لانا ہے جبکہ دوسرا فریضہ انسان کی باطنی دنیا سے سفر کا آغاز کرتا ہے اور خارجی حالات کو اپنے افکار سے خاموشی سے اور غیر محسوس طور پر متاثر کرنا ہے۔ ادب بھی سماجی تبدیلی کو اپنا مطمح نظر بناتا ہے۔ اگر چہ ادب برائے ادب کا نقطہ نظر بھی موجود ہے مگر ہزار تاویلوں کے باوجود ہم ادب و زبان کو زندگی یا سماج سے الگ تھلگ نہیں کر سکتے۔ اس حوالے سے محمد حسن عسکری یوں رقم طراز ہیں:

''ہمارے یہاں جو لوگ ''خالص ادب'' کے قائل ہیں، وہ اس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ ادب میں سماجی عوامل یا سیاسی واقعات کا ذکر نہیں آنا چاہیے، نہ ادیب کو ان معاملات میں پڑنا چاہیے۔ بعض دفعہ اس قسم کے اردو ادیب کچھ ایسا ظاہر کرتے ہیں جیسے کسی مغربی روایت کی

پیروی کر رہے ہوں۔لیکن جہاں تک میں واقف ہوں مجھے تو مغرب میں کوئی ایسی وقیع ادبی روایت نظر نہیں آتی جو سیاست سے اس درجہ گھبراتی ہو اور اپنے گردوپیش سے بے خبر رہنا چاہتی ہو۔''(۴)

آج ایک ادیب کی ذمہ داریاں بہت پیچیدہ نوعیت کی ہو چکی ہیں۔اسے جینے کی امنگ اور زندہ رہنے کا فن بھی سکھانا ہے۔ماضی میں بھی کوئی بھی ادب پارہ سماجی صورت حال سے بیگانہ رہ کر تخلیق نہیں کیا گیا۔حفیظ صدیقی کے بقول:

''ادب برائے ادب کے علمبردار آج تک مناسب اور معقول طوالت رکھنے والے کسی ایسے ادب پارے کی نشاندہی نہیں کر سکے جسے ہر اعتبار سے خالص جمالیاتی ادب قرار دیا جا سکے۔ کیوں کہ فن کار بہر حال معاشرے کا ایک فرد ہے، اپنے ماحول کی کچھ چیزیں اسے پسند ہیں اور کچھ ناپسند۔اس کے کچھ مذہبی عقائد بھی ہیں۔۔۔چنانچہ سماجی پس منظر سے الگ ہو کر خالص جمالیاتی سوچ ممکن ہی نہیں ہم سماجی امور کو ادب کا موضوع بنانے سے کتنا ہی اجتناب کریں، ہماری شخصیت، کردار اور فکر و احساس کے وہ اجزاء جزوی یا کلی طور پر سماجی ماحول کی پیداوار ہیں۔ادب میں شامل ہونے کے لیے بے قرار رہتے ہیں۔چنانچہ کسی ادب پارے میں سماجی زندگی کے رشتے کمزور تو ہو سکتے ہیں۔منقطع نہیں ہو سکتے۔''(۵)

معاشرتی سرگرمیوں کے باعث معاشرے پر مرتب ہونے والے اثرات تخلیق کاروں کی نگاہ میں رہنے چاہییں۔ہر سچا ادبی تخلیق کار بنیادی طور پر نوع انسان کا نمائندہ ہے اسی لیے اسے انسان دوستی کو اولین قدر کا درجہ دینا چاہیے۔ادب کو ایسی ناہمواریوں کے خلاف آواز اٹھانی چاہیے۔جو انسانوں کی تذلیل اور استحصال کرتی رہیں۔ادب کا یہ بھی فریضہ بن چکا ہے کہ وہ معاشرے میں پائی جانے والی عدم مساوات اور عالم گیریت کے منفی اثرات کے خلاف اپنے تحفظات کا اظہار کرے۔

حوالہ جات

۱۔ اشرف، اے۔بی، ڈاکٹر، مسائل ادب، تحقیق و تجزیہ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص:۱۵

۲۔ ایضاً، ص:۱۹۔۱۸

۳۔ انور سدید، ڈاکٹر، اختلافات، لاہور: مکتبہ اردو زبان، ص:۲۸۔۲۷

۴۔ محمد حسن عسکری، تخلیقی عمل اور اسلوب، مرتبہ: محمد سہیل عمر، کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۹۸ء، ص:۲۳۶

۵۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، کشاف تنقیدی اصطلاحات، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء، ص:۹

☆.....☆.....☆